اقبال کی غزل میں فلسفۂ اخلاق

زرتاشیہ صغیر/ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی

ABSTRACT:
Allama Muhammad Iqbal is our national poet. He is called poet of the East and philosophical poet too. There are numerous aspects of the poetry of Allama Iqbal. In this article, the concept of Humanism has been studied and discussed briefly.

اخلاق ''خلق'' کی جمع ہے جس کے معنی عادت اور طبیعت کے ہیں۔ اِصطلاحی معنوں میں اخلاق ایسے علم کو کہتے ہیں جو خیر اور شر کی حقیقت ظاہر کرے، اعمال میں عظیم اغراض و مقاصد کو پیشِ نظر رکھے اور انسان کا آپس میں معاملہ رکھنا اِس کی ذیل میں آتے ہیں۔ اقبال بیسویں صدی کے عظیم شاعر، مفکر اور فلسفی ہیں۔ اقبال محض ایک زمانے کے شاعر نہیں بلکہ اُن کے کلام نے انھیں آفاقی اور ہمہ گیر شاعر بنا دیا ہے۔ اقبال نے اپنے کلام میں انسان کو پیغام زندگی دیا ہے کہ انسان کی اِنفرادی و اجتماعی زندگی میں اخلاقیات کا خاص مقام حاصل ہے۔ اُن کے نزدیک قوم کی ترقی کا اِنحصار اخلاقیات پر ہے۔ سعید احمد رفیق اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

''اقبال کے نزدیک اخلاقیات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ اخلاقی اقدار کو زندگی کے دوسرے شعبوں کی اقدار سے علیحدہ نہیں کرتے وہ زندگی کو ایک وحدت مانتے ہیں جسے دُنیا اور دین کے مختلف خانوں میں منقسم نہیں کیا جا سکتا۔ اُن سے بھی زیادہ محدود شعبوں میں زندگی کو تقسیم کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی دُنیا سے اُنھیں سب سے بڑی شکایت یہ ہے اس میں اخلاقی اقدار اِقتصادی مسائل سے الگ کی جا چکی ہیں۔''(۱)

اقبال اپنے معاشرے کے اِقتصادی و معاشی مسائل سے بخوبی واقف ہیں اور چونکہ وہ ان مسائل کو اخلاقی اقدار سے الگ کر کے نہیں دیکھتے اِس لیے اُن کے نزدیک اخلاقی شعور پیدا کر کے ہی زندگی کے تمام سیاسی، اقتصادی و معاشرتی مسائل کا حل ممکن ہے۔ اِقتصادی نظام پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حکمِ حق ہے لیس للانسان اِلّا ما سعی
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار (۲)

اقبال کا تصوّرِ ''خودی'' جو اُن کے فلسفۂ اخلاق میں بنیادی قدر کے طور پر موجود ہے۔ اقبال نے ''خودی'' کا لفظ مروّجہ معنوں میں نہیں برتا ہے، جس کا مطلب غرور ہے بلکہ اُن کے یہاں تو خودی اپنی ذات کی پہچان کے معنوں میں اِستعمال ہوا اور خودی کی بلندی دراصل شخصیت کا اِستحکام ہے اور اپنے رب کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔ اقبال ''خودی'' کے متعلق کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (۳(

اقبال کے نزدیک خودی اپنے رب کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہے اور خودی کی تین منزلیں بتائی ہیں:

۱۔اطاعت

۲۔ضبط ِنفس

۳۔نیابت ِالٰہی

پہلی منزل یعنی اطاعت جو کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی اطاعت ہے۔ ضبطِ نفس دوسری منزل ہے۔ نفس پر قابو پانا یعنی اپنی شخصیت کا اِدراک کر لینا ہے جو کہ اطاعت کے بغیر ممکن نہیں اور پھر آخِری اور تیسری منزل نیابت ِالٰہی جو کہ انا اور خودی کا بلندترین درجہ ہے جس میں انسان کی استدلالی اور فکری صلاحیتیں ایک ہو جاتی ہیں اور بندہ مولا صفات اور خلیفۃ اللہ ہو جاتا ہے اور اسی بلند خودی پر اس کے رب کی رضا اور خوشنودی اس کی رضا اور خوشنودی ہو جاتی ہے۔ اسی موضوع پر اقبال کا شعر ملاحظہ ہو:

کافر ہے تو ہے تابع تقدیرِ مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی (۴(

اقبال کے نزدیک من کی دُنیا جذب کو شوق سے عبارت ہے، جب کہ تن کی زندگی جو کہ محض سود و زیاں اور مکروفریب ہے۔ یہاں اقبال نے انسان کی خارجی اور باطنی زندگی کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ اُس کے خارج اور باطن کے مظاہرات بیان کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں خارج جو کہ دُنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں مادیت ہے اور من جو کہ انسان کا اندر ہے وہ رُوحانیت سے تعلق رکھتا ہے اور سراغِ زندگی اور مقصد ِزندگی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دُنیا؟ من کی دُنیا سوز و مستی جذب و شوق
من کی دُنیا؟ تن کی دُنیا سود و سودا مکر و فن (۵(

خودی کی طرح ’’عشق‘‘ کا تصوّر بھی اقبال کے یہاں مروّجہ معنوں میں اِستعمال نہیں ہوا۔ اقبال کے نزدیک عشق ذوق طلب ہے جس کی بناء پر وہ کائنات تسخیر کر لیتا ہے اور یہی عشق انسان میں یقینِ محکم اور عملِ پیہم جیسی صفات پیدا کر کے مقاصد کے حصول کے لیے معاون ثابت بھی ہوتا ہے اور نئی اقدار کی تخلیق بھی کرتا ہے۔ اقبال اسی تصوّر کو یوں بیان کرتے ہیں:

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں (۶(

عشق وہ جذبہ ہے جو آگے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے اور جس میں مسلسل ارتقاء ہو یعنی اعلیٰ مقاصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ اقبال کی غزل کے چند اشعار جو اِسی موضوع کی عکاسی کرتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے اِمتحاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی ہیں آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پر منہ ہے کلام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور ہی ہیں
اِسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں (۷(

اقبال عشق کو عقل پر فوقیت دیتے ہیں کیونکہ عقل محض علم یا اِدراک سے متعلق ہے مگر ایسا جاننا بے فائدہ ہے اگر اس میں ذوقِ عمل نہ ہو۔ لہٰذا اقبال کے نزدیک عشق عقل سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم اقبال کی اسی فکر کے متعلق یوں کہتے ہیں:

’’صحیح تعلیم اور حیات بخش تہذیب وہ ہوتی ہے جس میں مادیت یا عقلیت رُوحانیت کے زیرِنگیں ہو جسے اقبال عشق کہتا ہے۔ یہ تعلیم یا تہذیب اس دور میں نہ مشرق میں پائی جاتی ہے اور نہ مغرب میں۔ انسانیت کا مستقبل یہی ہے کہ خارجی فطرت کی تسخیر باطنی قوت اور بصیرت کے دوش بدوش ترقی کرے۔‘‘(۸(

اقبال اپنے انہی افکار کو یوں بیان کرتے ہیں:
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ (۹(

عقل مصلحت اندیش ہوتی ہے مگر عشق مصلحتیں سامنے نہیں رکھتا اُس کا جذبہ اُسے حقیقتِ مطلق تک پہنچنے کے لیے ہر دم سرگرمِ عمل رکھتا ہے:
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی (۱۰(

اقبال کے نزدیک عشق کے بغیر علم بے کار ہے۔ وہ اس بات کا یوں اظہار کرتے ہیں:
عشق کی تیغِ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی (۱۱(

عشق کی اِنتہا یہ ہے کہ تقاضا چھوڑ دیا جائے یعنی اقبال کے نزدیک عشقِ الٰہی یہ ہے کہ اپنے رب کی رضا میں راضی ہو جانا یہی افضل ترین عبادت ہے:
شوخی سی ہے سوال مکرر میں اے کلیم
شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے (۱۲(

عشق کی اِنتہا اپنے خالق و مالک کی رضا میں راضی ہو جانا ہے۔ اقبال کے نزدیک اپنے رب سے ملاقات کا جذبہ قدر کے طور پر سامنے آتا ہے اور اپنے عشق اور جذبے کا اظہار یوں کرتے ہیں:
مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں

تو میرا شوق دیکھ اِنتظار دیکھ (۱۳(

اقبال کے نزدیک عشق خودآگاہی سکھاتا ہے۔ عشق ہی معرفتِ ذات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس موضوع کو یوں بیان کرتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی

کھلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شاہی (۱۴(

اقبال کے فلسفۂ اخلاق میں ''فقر'' کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اُن کے نزدیک فقرواستغنا وہ بے نیازی ہے جس میں انسان کو مادی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ جاتی بلکہ اپنی اقدار کی حفاظت اس کے لیے زیادہ اہم ہو جاتی ہے اور یہی فقرواستغنا انسان کو مردِ مومن، مردِکامل اور قلندر بنا دیتا ہے۔ اقبال کے اسی تصور کے متعلق اُن کے چند اشعار ذیل میں دیئے گئے ہیں:

فقر کے ہیں معجزات تاج و سر یہ و سپاہ

فقر ہے میروں کا میر ، فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد

فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

علم فقیہ و حکیم ، فقرِ مسیح و کلیم

علم ہے جویائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ

فقر مقامِ نظر ، علم مقامِ خبر

فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی نگاہ

علم کا ''موجود'' اور فقر کا ''موجود'' اور

اشھدان الا الہ اشھدان لا اِلٰہ (۱۵(

اقبال کا فقر و استغنا پر ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں

ذرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا(۱۶(

ڈاکٹر ایم۔ڈی تاثیر اقبال کے مردِ مومن پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اقبال نے اپنے نظامِ اخلاقیات کی بنیاد شخصیت پر رکھی ہے یہ چیز اُنھیں ایک فرقے کے نظریات کا اسیر بن کر رہ جانے سے بچا لیتی ہے--- اُن کا نظریہ فی الاصل نفسیاتی نظریہ ہے۔ اس نظریے میں شخصیت کی نشوونما پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے اور شعری اقدار کے ایک نفسیاتی نظریے کی حیثیت سے اس میں عالمگیر صفات موجود ہیں۔''(۱۷(

اقبال کے نزدیک مخلوقِ خدا سے محبت اعلیٰ اخلاق قدر ہے۔ اُن کے خیال میں اللہ کے بندوں کے لیے بھلائی کے کام کرنا اور اُن کے ساتھ بہترین سلوک کرنے سے ہی معاشرتی فلاح ممکن ہے۔ اسی ضمن میں پروفیسر ایم ایم۔شریف رقم طراز ہے:

’’اقبال شاعری کو اخلاقیات کے ماتحت قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک شاعری کا فریضہ زندگی اور ذاتِ انسان کی خدمت گزاری ہے۔‘‘(۱۸)

اسی موضوع کو اقبال یوں بیان کرتے ہیں:

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بتوں میں پھرتے مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا (۱۹)

اقبال جہاں مردِ مومن کی اعلیٰ سیرت کی بات کرتے ہیں تو اس کے کرداری اوصاف میں نہایت اہم وصف حق گوئی اور بے باکی ہے باطل قوتوں کے آگے سرنگوں نہ ہونا اور کھل کر حق بات کہہ دینا مردِ مومن کا وصف ہے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں ، بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو بھی کہہ نہ سکا قند (۲۰)

اقبال کے نزدیک عبادت ایسی ہونی چاہیے جس میں جزاء کی تمنّا نہ ہو بلکہ محض اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کی جائے اور جو عبادت ثواب یا صلے کی تمنّا رکھ کر کی جائے وہ محض سوداگری ہے۔

سوداگری نہیں ،یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنّا بھی چھوڑ دے (۲۱)

اقبال مذہبی تعصب کے خلاف ہیں۔ اُن کے نزدیک رب سب کا ایک ہے اس لیے عبادت گاہوں کو عبادت تک محدود رکھا جائے نہ کہ تفریق کے لیے کیونکہ احترامِ انسانیت اور عشقِ الٰہی وہ جذ بات ہیں جو تمام مذاہب کے لیے یکساں ہیں۔

ہے عاشق میں رسم سب سے الگ بیٹھنا
بت خانہ بھی ، حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے (۲۲)

اقبال کے نزدیک جب اس کی خودی محکم ہو جاتی ہے تو اس کا ہر عمل بے غرض ہو جاتا ہے اور وہ ضروریات کا محتاج نہیں رہتا اسی ضمن میں پروفیسر ضیاء الدین کہتے ہیں:

’’ایسا شخص ایک ولی اللہ ہو جاتا ہے۔ ضروریات سے بلند تر، بہادر، بے خوف، مظلوموں اور محتاجوں کا محسن اور مددگار، مختصر یہ کہ وہ انسانِ کامل بن کر بیش قیمت متقیانہ سیرت و کردار کی بدولت قوموں کی اِصلاح اور ترقی کا سبب بن جاتا ہے۔‘‘(۲۳)

بقول اقبال:

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزاء کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر ، بادہ و جام سے گزر (۲۴)

اقبال دل و زبان پر ایک بات رکھنے کے قائل ہیں اُن کے نزدیک جو دل میں ہو وہی زبان پر ہونا چاہیے۔ کسی قسم کی منافقت انسان کو اخلاقیات سے گرا دیتی ہے:

ہزار خوف ہو ، لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق (۲۵)

اقبال انسان کی روزافزوں ترقی کی بات کرتے ہیں کہ آج کا انسان ترقی کی اِتنی منازل طے کر گیا ہے کہ وہ کائنات کی ہر شئے تسخیر کر چکا ہے:

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے (۲۶(

اقبال کے نزدیک انسان کے کرداری اوصاف کی تکمیل تبھی ممکن ہے جب وہ خطروں میں رہنا سیکھ لیتا ہے۔ آسانیوں کو نہیں اپناتا بلکہ مشکلات میں زندگی گزارنے کا خود کو عادی بنا لیتا ہے۔ اسی ضمن میں اقبال یوں کہتے ہیں:

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستان جہاں گھات میں نہ ہو صیاد (۲۷(

اسی طرح بلندحوصلگی کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا (۲۸(

اقبال کے یہاں انسانیت اور عظمت انسان کا تصور بھی بہت واضح ہے۔ جب عظمت ِانسان کی بات کرتے ہیں تو انسانِ کامل آنحضرت سرورِ کائنات کی بات کرتے ہیں:

سبق مِلا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد نہیں ہے گردوں (۲۹(

یہاں اقبال واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اِشارہ کرتے ہیں کہ آج کا انسان سائنسی ترقی کر کے چاند اور ستاروں کی تسخیر میں لگا ہوا ہے جب کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد پندرہ صدیوں پہلے آسمان کی وسعتوں کو تسخیر بھی کر آئے ہیں۔ اقبال کے یہاں اسلام اور جذبہ مسلمانی نہایت شدت سے پایا جاتا ہے اُن کے افکار کی رُوح خالصتاً اسلامی ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبے یکو وہ اسلام سے جدا کر کے نہیں دیکھتے۔ مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروّت حُسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا (۳۰(

اسی طرح سیاسی نظام کو بھی اقبال اخلاقی اقدار پر استوار کرنے کے خواہاں ہیں۔ پروفیسر ضیاء الدین احمد لکھتے ہیں:

’’لیکن ہر سیاسی نظام کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ اخلاقیات اور سیاست میں خوشگوار ہم آہنگی پیدا کی جائے، چونکہ یہ مسلمہ اَمر ہے کہ حکومت ایک ایسا انسانی اِدارہ ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے وجود میں لایا جاتا ہے۔ اس لیے لازماً اخلاق اور سیاست کو ایک دوسرے کا لازم و ملزوم حصہ ہونا چاہیے۔ اقبال نے اپنے اس تصور کو اس شعر میں بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔

جلال بادشاہی کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی‘‘ (۳۱(

اسی ضمن میں ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

’’مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال کا ہمہ گیر تصوّرِ حیات و کائنات کسی جزوی اور کسی چیز سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ باطن کے ساتھ ساتھ خارج میں برپا ہونے والے ہنگاموں اور انقلابوں کا بھی گہرا شعور رکھتے تھے چنانچہ اخوت اور مسافت کے جمہوری اصولوں کے تمام تر احترام کے باوجود جب وہ رُوحانی جمہوریت پر اصرار کرتے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جمہوریت کی مختلف ممالک میں متعارف ہئیتوں سے خوش نہیں۔‘‘(۳۲(

اقبال رُوحانی اور اِسلامی جمہوریت کے قائل ہیں اور مغرب کے نظامِ زندگی اقبال کو کسی طرح متاثر نہیں کرتے۔ اقبال اپنے ایک شعر میں اس کا یوں اظہار کرتے ہیں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوئہ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (۳۳(

اقبال جہاں انسان کی عظمت کی بات کرتے ہیں وہاں فلسفۂ رُوح کو موضوع بھی بناتے ہیں۔ اُن کے نزدیک رُوح ہی ایسی شئے ہے جس کو بقاء ہے، ورنہ اس کائنات میں ہر شئے کا وجود ناپائیدار ہے، مگر انسان کی بے بسی اور ناتوانی کا اظہار بھی ملتا ہے کہ رُوح جو اللّٰہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اُس کی حفاظت کرنے میں بھی انسان بے بس ہے۔ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اس پیکرِ خاکی میں اِک شے ہے ، سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شئے کی نگہبانی (۳۴(

اقبال اُمتِ مسلماں کو تقلید نہ کرنے کا بھی درس دیتے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اپنی دُنیا آپ پیدا کرنا ہی مقصدِ ذات ہونا چاہیے اور تقلید اُس خوبی کو بے کار کر دیتی ہے۔

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کی یہ گوہرِ ہے یگانہ (۳۵(

اقبال کے نظامِ اخلاق میں حرکت اور مسلسل اِرتقاء بھی قدر کے طور پر موجود ہے۔ اُن کے نزدیک زندگی مسلسل جدوجہد اور کوشش سے عبارت ہے۔ جمود اور سکون افراد کے لیے موت ہے۔ جہدِ مسلسل کے فلسفے کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے
اسبابِ ہنر کے لیے لازم ہے تگ و دو (۳۶(

اقبال نے اپنے نظام اخلاق میں خیروشر کے تصوّر کی وضاحت کے لیے مردِ مومن کی صفات، خودی کی تین منزلیں، دُنیا کی ناپائیداری عشقِ الٰہی کو دُنیاوآخرت میں سُرخروئی کا ذریعہ، عملِ پیہم، حق گوئی، آدابِ خودآگاہی، فقرواستغنا، عمل بے غرض اور اِسلامی نظامِ حیات کا پیغام دیا ہے۔ اقبال کا نظامِ اخلاق ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ حیات و کائنات کے اسرارورموز کے لیے جذبۂ عشق کی رہنمائی میں فقرواستغنا کی دولت کو حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ اقبال نے نظامِ حیات و کائنات کے موضوعات کو ایک عظیم مسلمان فلسفی شاعر کے طور پر برتا ہے اور اخلاقی اقدار کو جس فکری خطوط پر موضوعِ سخن بنایا ہے وہ اُنھیں آفاقی شاعر بنا دیتی ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریۂ اخلاق، لاہور: ادارئہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۹ء، ص ۲۳۔۲۲

(۲) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، لاہور:خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۴ء،ص ۳۴۵

(۳) ایضاً ، ص ۳۸۳

(۴) ایضاً ، ص ۳۷۹

(۵) ایضاً ، ص۳۸۳

(۶) ایضاً ، ص۳۶۷

(۷) ایضاً ، ص۴۰۶۔۴۰۷

(۸) خلیفہ سیّد الحکیم، فکر ِاقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۳ء،طبع دہم،ص ۱۴۵

(۹) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال،ص ۳۳۲

(۱۰) ایضاً ، ص۳۲۷

(۱۱) ایضاً ، ص۳۶۲

(۱۲) ایضاً ، ص۱۳۵

(۱۳) ایضاً ، ص۱۲۲

(۱۴) ایضاً ، ص۴۰۲

(۱۵) ایضاً ، ص۴۲۰

(۱۶) ایضاً ، ص۳۷۱

(۱۷) ایم ڈی تاثیر، ڈاکٹر، اقبال کا فکر و فن، مرتب: افضل حق قریشی،لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۴ء،طبع سوم،ص ۵۳۔۵۴

(۱۸) ایم۔ایم۔شریف، اقبال کا نظریۂ فن، مشمولہ: فلسفہ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۰۱ء،ص ۴۷

(۱۹) محمداقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، ص ۱۷۵

(۲۰) ایضاً ، ص۳۶۹

(۲۱) ایضاً ، ص۱۳۵

(۲۲) ایضاً ، ص۱۳۵

(۲۳) ضیاء الدین احمد،پروفیسر، اقبال کا فن اور فلسفہ،لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۰۱ء،ص ۹۵

(۲۴) محمداقبال،ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال،ص ۳۷۷

(۲۵) ایضاً ، ص۳۸۲

(۲۶) ایضاً ، ص۳۶۰

(۲۷) ایضاً ، ص۳۵۸

(۲۸) ایضاً ، ص۳۷۳

(۲۹) ایضاً ، ص۳۷۵

(۳۰) ایضاً ، ص۳۷۹
(۳۱) ضیاء الدین احمد،پروفیسر، اقبال کا فن اور فلسفہ،ص ۱۲۳
(۳۲) تحسین فراقی، ڈاکٹر، جہاتِ اقبال،لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۶ء،ص ۴۶
(۳۳) محمداقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، ص ۳۸۷
(۳۴) ایضاً ، ص۳۶۷
(۳۵) ایضاً ، ص۶۵۰
(۳۶) ایضاً ، ص۶۵۰
/....../